مطلق العنان اقتدار کے تحت مجلّو مذہبی مناصب

(جناب نعیم صدیقی صاحب)

(۴)

حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میری جماعت کے دو ایسے گروہ ہیں کہ وہ مستقیم رہیں گے تو ساری جماعت درست رہے گی، وہ بگڑیں گے تو تمام لوگ بگڑ جائیں گے ــــ وہ ہیں امراء اور فقہاء"[1]

اور جس دور کا مطالعہ ہم کر رہے ہیں اس میں قیادت کی ان دو صفوں میں سے ایک بگڑ چکی تھی۔ اگر دونوں بگاڑ کا شکار ہو گئی ہوتیں تو ملت میں کوئی خیر و فلاح باقی نہ رہتی بلکہ بعید نہ تھا کہ عملی خرابیوں کے ساتھ ساتھ ایمان و افکار کی دنیا بھی اجڑ جاتی اور آج نظام اسلامی کے کھنڈر ملبے کے انباروں میں اس طرح مدفون پڑے ہوتے کہ یہی سراغ لگانا مشکل ہو جاتا کہ کن بنیادوں پر یہ نظام اٹھایا گیا تھا اور اس کی نوعیت فی الحقیقت کیا تھی۔ مگر جہاں ملت پر یہ مصیبت آئی کہ اس کی سیاسی قیادت غلط راستے پر پڑ گئی وہاں قرآن اور حضورؐ کی واضح پیشین گوئی کے مطابق اس پر خدا کا یہ کرم بہرحال رہا کہ اس کی علمی قیادت بہ حیثیتِ مجموعی راست رو رہی۔ اسلام کے اصول و اقدار تاریخ کے میدان میں جب بدلتے حالات اور نت نئے بیرونی اثرات سے دوچار ہوتے تو خلافت راشدہ کے مضبوط کارپردازوں کے بعد سیاسی اقتدار ان حالات و اثرات کے سامنے جھک گیا بلکہ ان کا آلۂ کار بن گیا، مگر دوسری طرف علم و فکر کی عنانِ قیادت سنبھالنے والے ہاتھ اتنے مضبوط تھے کہ انہوں نے اسلام کے اصول و اقدار کے دفاع کی لڑائی مزاحم ہونے والے حالات و اثرات کے خلاف بڑی بے جگری سے لڑی اور اس لڑائی میں انہوں نے اپنوں کے سیاسی اقتدار کے خنجر

---

[1] احیاء العلوم از حضرت امام غزالیؒ۔ ج ۱، ص ۶۔

خوں ریز کے وار بھی ہنستے مسکراتے برداشت کیے۔ پہلا عنصر "تو بازمانہ بساز" کا قائل تھا اور دوسرا "تو بازمانہ ستیز" پر عمل پیرا۔ وہ تاریخ کے دھارے کے ساتھ بہنا چاہتا تھا اور یہ تاریخ کی موجوں پر کمان کرنا چاہتا تھا اور اس کے لیے بطورِ خود ایسی رودگاہ بنانے کا داعی تھا جو اسلام کے اصول و اقدار کے مطابق ہو۔ اول الذکر اسلام کو حالات بلکہ اپنے بدلتے تصورات و رجحانات کے سانچے میں ڈھالنے کی سہل راہ کو پسند کرتا تھا اور موخر الذکر حالات کے تقاضوں کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے ساعی تھا۔ یہی دوسرا مبارک عنصر ہے جس کی خدمات کے طفیل اسلام کے اعتقادات، اس کے اصول، اس کے اخلاقی تصورات، اس کا قانون، اس کا نظامِ معاشرت اور اس کا پورا عالمِ افکار ہم تک صحیح و سلامت پہنچ سکا ہے۔ ملت کے سرمایۂ وجود کو اس کے اپنے ہی خنجرِ بے باک سے اگر بچایا ہے تو اس کے قلمِ حق رقم نے بچایا ہے۔

گویا ہماری تاریخ کا سیاسی دھارا اگر قصر و محلات سے ہو کر مصلحت پرستی کی رودگاہ میں بہا ہے تو اس کا فکری دھارا مسجدوں اور حجروں اور مدرسوں بلکہ بسا اوقات قید خانوں اور مقتلوں سے گزرتا ہوا حق پرستی اور اصول پسندی کی وادیوں میں بہتا رہا ہے۔ قیادت کی ان دو صفوں میں سے بگڑنے والی سیاسی صف کو ہر ہر قدم پر فکری صف کی طرف سے کشمکش کا سامنا کرنا پڑا اور اگر خدانخواستہ یہ فکری مزاحمت بھی نہ ہوئی ہوتی تو کون اندازہ کرسکتا ہے کہ مطلق العنان اقتدار اور آگے کہاں تک جا پہنچا ہوتا۔

اس کشمکش کی ایمان افروز اور عبرت آموز داستان ہماری پوری تاریخ میں پھیلی ہوئی ہے اور اسی کا ایک باب ہم یہاں سامنے لا رہے ہیں۔

تسخیر علماء کی مہم کا ردِ عمل | ہم یہ بیان کرچکے ہیں کہ موروثی بادشاہت کے تخت پر جب مطلق العنان اقتدار جلوہ گر ہوا تو نہایت مؤثر وجوہ کے تحت وہ مجبور تھا کہ علماء اور خصوصاً قانون و فقہ کے ماہرین کا تعاون اپنے لیے حاصل کرے۔ ہم یہ بھی بیان کرچکے ہیں کہ اموی دور ہی سے حکومت کی یہ پالیسی طے پا گئی تھی کہ علماء۔ خصوصاً عوام میں اثر و اعتماد رکھنے

والے علماء — کو سرکاری مناصب پر لایا جائے۔ اس پالیسی کے تحت اموی دور سے جو مہم شروع ہوئی تھی وہ عباسی دور میں اور بھی زور سے چلی۔ مناصب کا ریشمی جال بچھا کر اور عطایا کے زرّیں دانے بکھیر کر صیّاد سیاسی فنِ تزویر کی کمین گاہ میں منتظر بیٹھ گیا کہ یہ جو اڑتی چہکتی چڑیاں رونقِ فضا ہیں، پلک جھپکنے میں اس کے فتراک میں ہوں گی۔ مگر جلد ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ چوگ پر مرنے والی چڑیاں نہیں ہیں، عقاب اور شاہین ہیں جن کی من بھاتی غذا فاقہ ہے۔ علمائے حق اپنی نگاہوں میں اتنے کم قیمت نہ تھے کہ ایک عہدے اور ایک تنخواہ یا وظیفے کے عوض اپنی متاعِ علم و ضمیر کو بیچ ڈالیں۔

مبین حقیر گدایانِ عشق را کیں قوم
شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلہ اند

ان کے سامنے عہدہ و جاہ، خلعتوں اور انعامات اور اندھے مسرفانہ عطایا کی گنگا بہ رہی تھی مگر انہوں نے فقر کے میکدے میں اپنے جام کو ہمیشہ غیرتِ ایمانی ہی کی مے سے بھرا اور تشنہ لبی ہی سے سرور حاصل کیا ؂

ہمیں تو پیاس بھی، ساقی! سرور دیتی رہی
ذرا غیور ہیں، خالی ایاغ رکھتے ہیں

ان کا علم ان کے لیے بجائے خود ایک سلطنت تھا۔ اس سلطنت کا اصل خزانہ ضمیر کی آزادی تھی۔ اس سلطنت اور اس خزانے کا دفاع وہ فقرِ غیور کی تلوار سے کرتے رہے۔ اس سلطنت پر ہر آن سیاسی طاقت کی طرف سے ترغیب و ترہیب کے حملے ہوتے، مگر اس کے کارپردازوں نے ہر قیمت پر اور ہر قربانی دے کر اس کا بچاؤ کیا۔ انہوں نے آزادیٔ علم اور آزادیٔ ضمیر کے تحفظ کی بڑی گراں بہا روایات ملت کو دی ہیں۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حکومت کی تسخیرِ علماء کی پالیسی کو شکست دینے کے لیے علمائے حق نے مناصب سے کنارہ کشی کا رویہ اختیار کیا۔ اس سلسلے میں ضروری ہے کہ وقتاً فوقتاً

مواد بھی سامنے رکھ دیا جائے۔ آغاز ہم اموی دور سے کرتے ہیں۔

وقت کی ایک نمایاں ترین ہستی جس کو حکومت خطرے کی نگاہ سے دیکھتی تھی، امام ابوحنیفہ تھے۔ یہ مردِ حق اموی اور عباسی دونوں دوروں میں حکومت کے شدید دباؤ سے دوچار ہوا۔ یزید بن عمر امیر عراق کی طرف سے حضرت امام کے سامنے عہدہ کی پیش کش کی گئی۔ ان کو بقول بعض میر منشی یا افسر خزانہ کی حیثیت سے اور دوسری روایات کے مطابق قاضی کی حیثیت سے کام کرنے کی دعوت دی گئی۔ اس پیش کش کو آپ نے ٹھکرا دیا اور پھر کوڑے کھائے مگر مان کر نہیں دیئے۔ آخر عاجز آکر یزید نے چھوڑ دیا اور مکہ چلے گئے[1]۔ یزیدی دور کے گورنر ابن ہبیرہ نے حکومت کے ایما سے حضرت امام کو مجبور کیا کہ وہ "الطراز" (شاہی توشہ خانہ) کی نگرانی ہی قبول کریں۔ انہوں نے انکار کیا۔ ابن ہبیرہ نے قسم کھالی کہ انہیں خدمت قبول کرنی پڑے گی۔ امام نے جوابی قسم کھالی کہ وہ نہیں کریں گے۔ اس پر ابن ھبیرہ نے حکم دیا کہ انہیں اس قدر کوڑے مارے جائیں کہ ان کا خاتمہ ہو جائے۔ امام نے اس حکم پر کہا تو یہ کہا کہ "انما ھی میتۃ واحدۃ" یعنی یہ موت تو بس ایک ہی بار آئے گی۔ ۲۰ کوڑے اس انداز سے لگائے گئے کہ امام ابویوسف کے الفاظ میں گوشت کے ٹکڑے کٹ کر گرے[2]۔ ابن ھبیرہ نے حکومت کی آن (PRESTIGE) کو بچانے کے لیے خود ہی یہ کہہ کر راہ نکالی کہ یہ شخص مجھ سے مہلت کیوں نہیں مانگ لیتا تاکہ معاملہ پر پھر غور کر لے۔ بعض لوگوں نے حضرت امام کو سمجھا بجھا کر اس پر آمادہ کر لیا اور انہوں نے مہلت طلب کر لی[3]۔ پھر حکومت کی آن بچانے ہی کے لیے ان سے چاہا گیا کہ وہ باہر سے آنے والے نواکہ کے شمار کی خدمت قبول کریں۔

---

[1] عقود الجمان۔ باب ۲۱۔ سیرت ائمہ اربعہ از رئیس احمد جعفری۔ ص ۵۶۔ "چراغ راہ" کا اسلامی قانون نمبر ج ۱۔ مقالہ "اسلام کا نظام قضا" از مولانا خلیل حامدی۔ ص ۲۰۶۔

[2] مناقب موفق، ج ۲، ص ۲۱، ۲۲۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی۔ مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم ص ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ [3] مناقب موفق۔ ج ۲، ص ۲۴۔ 〃 〃 〃 〃 ص ۱۴۱۔

بعض لوگوں کے مشورے سے امام نے چند روز یہ خدمت انجام دی۔ مگر جاری نہ رکھ سکے اور مکہ چلے گئے[1] اس مردِ عظیم کے درخشاں تاریخی کردار پر ہمیں ابھی آگے چل کر بہت کچھ کہنا ہے۔

بہرحال حضرت امام ابوحنیفہ تو وقت کی ایک ممتاز انقلابی شخصیت تھے اور اسی لیے ان کو رام کرنے کے لیے حکومت بے حد کوشاں رہی اور یہ مسلسل نشانۂ عتاب بنتے رہے۔ اور بھی سرگشتگانِ عشق تھے جنہوں نے بے نیازی کی اسی ریت کو اختیار کیا۔ مثلاً امام صاحب کے ایک معتمد علیہ دوست ابن المعتمر تھے۔ ابن ہبیرہ نے ان کو بھی بلا کر قضا کا منصب قبول کرنے پر مجبور کیا۔ تلوار سامنے تنی دیکھ کر مان تو گئے مگر دل اور دماغ نے ساتھ نہ دیا۔ پہلا ہی مقدمہ پیش ہوا تو کارروائی سن کر بیٹھ رہے اور کہنے لگے کہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اب مجھے کیا کرنا ہے۔ آخر انہیں معذور ٹھہرایا گیا اور ایک ہی مقدمے پر جان چھوٹ گئی[2]

میمون بن مہران حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دورِ سعید میں محکمۂ افواج کے ایک افسر کی حیثیت سے کام کر چکے تھے اور جزیرہ میں قاضی بھی رہے تھے۔ پھر محمد بن مروان کے زمانے میں بیت المال کے سر دفتر تھے۔ مگر یہ خدمت اپنی دکان میں بیٹھ کر ہی انجام دیتے تھے۔ یزید بن عبدالملک کے دور میں مستعفی ہو گئے۔ ان کے ضمیر کی آواز سنیے جو درحقیقت استعفا کی محرک ہوئی: "میری انگلیاں کٹ جاتیں تو یہ مجھ کو زیادہ پسند تھا بہ نسبت اس کے کہ میں کسی عہدہ کا انچارج ہوتا۔"[3]

طاؤس بن کیسان جو صحابۂ اجل سے فیض یافتہ اور حبرِ امت حضرت عبداللہ بن عباس کے شاگردِ خاص تھے، اربابِ حکومت کے متعلق ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ "میں نے اربابِ ثروت و دول سے زیادہ کسی کو شر انگیز نہیں دیکھا" ایک مرتبہ حجاج کے بھائی محمد بن یوسف کے ہاں گئے

[1] مناقب از کردری، ص ۲۷۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی۔ از مولانا مناظر احسن گیلانی۔ ص ۱۴۲

[2] صفوۃ الصفوۃ۔ ص ۹۳ " " " " " ص ۷۸

[3] طبقات ابن سعد ج ۷، ق ۲، ص ۱۷۸۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۹۲، ۹۳۔ غلامانِ اسلام از مولانا سعید احمد ص ۹۳

تو اس نے خادم کو حکم دے کر ان کے کندھوں پر ایک طیلسان اوڑھوایا جسے انہوں نے کندھے ہلا کر گرا دیا۔ محمد بن یوسف ناراض ہو گیا اور یہ چلے آئے۔ ایک مرتبہ حاکم یمن نے ۵۰۰ دینار بطور ہدیہ بھیجے مگر قبول نہیں کیے محمد بن یوسف ہی نے ایک بار انہیں تحصیلداری پر لگایا۔ انہوں نے تحصیلداری اس طریقے سے کی کہ با قیدار رضا کارانہ طور پر جو زکوٰۃ دینا لے آتے اور نہ دیتا تو اس سے کچھ نہ کہتے[1]

اسی طرح ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی حکام سے نفرت میں یہاں تک پہنچے کہ فرماتے: "مجھ کو میرا بیٹا بکر سب سے زیادہ محبوب ہے مگر اس کے باوجود اسے اپنے ہاتھوں سے دفن کر دینا مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ ہشام یا کوئی اور خلیفہ میرے پاس آئے"[2]

اب عباسی دور کو لیجیے:

یہاں بھی حضرت امام ابوحنیفہ کا مقام بڑا ممتاز رہا۔ منصور نے بغداد کو مرکز بنانے کے بعد ابراہیم کی انقلابی تحریک کے حامیوں کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی۔ اس نے مکہ سے امام ابوحنیفہ کو بلوا لیا۔ ان کے انقلابی مرتبے کو ختم کرنے کے لیے اس نے بجائے دار و رسن کا طریقہ اختیار کرنے کے انہیں عہدہ پر لانے کی کوشش کی۔ اس نے زہر کے بجائے گڑ سے کام لینا چاہا۔ بصرہ، کوفہ اور بغداد کے علاقوں کی قضا کا عہدہ ان کے سامنے رکھا گیا[3]۔ اس معذرت کے ساتھ انکار کیا کہ میں اس کام کا اہل نہیں ہوں۔ پھر اپنے قول کی توضیح کی کہ اگر میں نے سچ کہا تو نا اہل ثابت اور اگر جھوٹ بولا ہے تو جھوٹا آدمی قضا کے لیے موزوں نہیں ہو سکتا۔ منصور نے قسم کھائی کہ تمہیں عہدہ لازماً قبول کرنا ہو گا۔ جواباً امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ میں قبول نہیں کروں گا۔ برہم ہو کر منصور نے ۳۰ کوڑے لگوائے۔ اس وقت امام ۷۰ برس کے بزرگ تھے۔ منصور کو اس کے چچا عبدالصمد نے اس حرکت پر سخت ملامت کی۔ اس پر وہ فی تازیانہ ایک ہزار درہم فدیہ دینے پر آمادہ ہو گیا

[1] غلامانِ اسلام۔ از مولانا سعید احمد ایم۔ اے۔ ص ۱۲۸، ۱۲۹۔ [2] ایضاً ص ۱۴۶

[3] مناقب کردری۔ ج ۲، ص ۱۲۔ مناقب موفق ج ۲، ص ۱۷۲، ۱۷۳۔ سیرت ائمہ اربعہ از رئیس احمد جعفری ص

مگر امام نے یہ بھی قبول نہ کیا۔[1] پھر ان سے یہ چاہا گیا کہ وہ بابِ خلافت پر موجود رہ کر فتوی دیا کریں، امام اس پر بھی راضی نہ ہوتے۔ قید میں ڈالنے اور سختی کرنے کا حکم ہوا۔[2] اس کے بعد پھر ایک کوشش کی گئی۔ شدید دباؤ کے تحت وہ رصافہ نامی چھوٹی سی آبادی (فوجی کیمپ) کے قاضی بنائے گئے۔ مگر اس کام کو بھی نہ چلا سکے۔ کوشش یہاں تک بھی کی گئی کہ آپ خزبافوں کے عریف کا عہدہ قبول کر لیں[3] کیونکہ اس میدان میں امام کی تجربی مہارت مسلّم تھی۔ مگر یہ بھی قبول نہیں کیا۔ کشمکش کے ان مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے بالآخر وہ قید خانہ ہی میں محبوبِ حقیقی سے جا ملے۔ اس دوران میں آپ کے سامنے رقمی عطیہ بھی پیش کیا گیا۔ آپ کے کوڑوں کے زخموں کے لیے یہ سمیں مرہم بھی قبول نہ کیا۔ اس معاملے میں تو وہ اتنے محتاط تھے کہ حکومت سے ایک درہم تک لینے کے روادار نہ تھے۔[4] آزادیٔ ضمیر کی راہ ادھر ہی سے ہو کے نکلی ہے، جیسے کہ مسعر بن کدام نے کہا تھا کہ: "جس نے سرکہ اور بھاجی پر صبر کیا، اسے غلام نہیں بنایا جا سکتا۔"[5] آزادیٔ ضمیر کے تحفظ ہی کی خاطر امام ابوحنیفہ نے خز کا کاروبار چلایا اور ایسے پیمانہ کبیر پر پہنچایا کہ دینی جدوجہد اور اہلِ حاجات پر اپنی گرہ سے کھلے ہاتھوں مال خرچ کرتے تھے۔

اس لمبے ابتلاء سے گزرتے ہوتے مامون نے امام ابوحنیفہ کی تذلیل کے لیے بطورِ سزا ان کو خشت شماری کا کام بھی کچھ عرصہ کے لیے سونپا۔[6] اس سے وہ مقصد تو پورا نہ ہو سکتا تھا جو حکومت کے سامنے تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ اقتدار علم کو جھکا نہ سکا۔

اب دوسرے اربابِ عزیمت کو لیجیے۔

---

[1] مناقب موفق۔ ج ۲، ص ۱۸۱، ۱۸۲۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی۔ از مولانا مناظر احسن گیلانی۔ ص ۱۷۲، ۱۷۳، نیز ص ۲۱۲ ۔ [2] مناقب موفق۔ ج ۲، ص ۱۷۳، ۱۷۴

[3] جامع المسانید (روایت ابوبکر بن عیاش) ج ۱، ص ۵۵ ۔ [4] مناقب موفق۔ ج ۱، ص ۲۱۲

[5] تذکرۃ الحفاظ۔ ج ۱، ص ۱۷۸۔

[6] المامون ۔ از علامہ شبلی نعمانی۔ ص ۱۲۷

حضرت سفیان ثوری کا تذکرہ اوپر ہوا۔ ان پر سفاح ہی کے دور سے حکومت کی توجہ تھی۔ ان کے عدم تعاون کے رویے پر سفاح کی طرف سے عتاب ہوا اور پھر بطور ازالہ اشرفیاں دینے کی کوشش کی گئی۔[1] بعد میں ان کو خلیفہ مہدی کے دربار میں لایا گیا۔ دربار کی طرف سے اصرار ہوا کہ منصبِ قضا قبول کریں۔ فرمان لکھ کر ان کو دے دیا گیا۔ حضرت ثوری دربار سے نکلے، فرمان کو دجلہ کی لہروں میں پھینکا اور غائب ہو گئے۔[2] پھر یہ گرفتار ہو کر دوبارہ خلیفہ مہدی کے دربار میں پیش ہوئے۔ مہدی نے کہا کہ "تم جو حکومت سے بھاگے پھرتے ہو اس طرح سے بچ نہیں سکتے۔ اب بتاؤ کہ اگر میں کوئی حکم دوں تو تم کیا کرو گے؟" حضرت سفیان ثوری جواب دیتے ہیں کہ: "جو سب سے بڑی قدرت والا ہے وہ تم پر بھی حکم نافذ کرنے کے لیے اقتدار رکھتا ہے۔" مہدی کا درباری امیر ربیع تلوار کی ٹیک لگائے یہ مکالمہ سن رہا تھا۔ حضرت ثوری کا جواب سن کر غصہ سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور مہدی سے وہ کہنے لگا:

"حضور! اس گنوار اور جاہل کی یہ مجال کہ یہ سرِ دربار آپ کے سامنے ایسا گستاخانہ کلام کرتا ہے۔ اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن مار دوں!"

یہ ہے وہ ذلیل انسانی کردار جو مطلق العنان اقتدار کے سایے میں پروان چڑھا کرتا ہے جس کی دلیل واحد تلوار ہوتی ہے اور جو بات بات پر مغلوب الغضب ہو جاتا ہے، جس کے رونگٹے عدمِ تحمل کی وجہ سے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جس کے پاس ہر اختلاف کا حل یہی ہوتا ہے کہ "گردن مار دوں۔" اور جو "حضور حضور" کہہ کر فرماں روا کو خدا بنا دیتا ہے۔ مگر مہدی اپنے درباری کے مقابلے میں یہ فوقیت رکھتا تھا کہ اس کی نظر اپنے جذبات کے ساتھ ساتھ سیاسی مصالح پر بھی تھی۔ کہا: "بدبخت چپ رہ! یہ شخص اور ایسے لوگ یہی تو چاہتے ہیں کہ ہم

---

[1] حقیقۃ الفقہ۔ ص ۲۲۱، ۲۲۲

[2] وفیات ابن خلکان۔ ج ۱، ص ۲۱۰۔ تاریخ اسلام از مولانا عبدالقیوم ندوی ج ۲، ص ۴۵۔ امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی۔ از مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم۔ ص ۳۰۔

ان کو قتل کر کے ان کی کامیابی کو اپنی بدبختی اور بدنامی کا ذریعہ بنا لیں[۱]۔ غرضکہ وہ شاہین دست آموز شاہ نہ ہو سکا۔

ربیعۃ الرائی بن فروخ جو حدیث و فقہ میں حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام ابوحنیفہ دونوں کے استاذ تھے۔ ان کے کمالِ تفقہ اور شہرۂ علم کے پیش نظر ابو العباس السفاح نے عہدۂ قضا ان کے سامنے رکھا اور اس مقصد کے لیے کسی بہانے سے ان کو انبار کے مقام پر بلوایا۔ مگر امام ربیعہ نے اس کی پیش کش قبول نہیں کی۔ سفاح سے ان کو تنفر تھا۔ ایک مرتبہ اس نے کوئی تحفہ بھجوایا تو وہ بھی واپس کر دیا۔ پھر اس نے ۵۰ ہزار درہم بھجوائے۔ آپ نے یہ رقم بھی قبول نہیں کی۔

محمد بن سیرین جو حضرت ابوہریرہ، ابن عمر اور عمران بن حصین جیسے ممتاز صحابہ کے فیضِ صحبت سے مشرف تھے اور فارس میں مدت تک حضرت انس بن مالک کے کاتب رہ کر علمی استفادہ کر چکے تھے، فقہ میں اتنا بلند مقام رکھتے تھے کہ ابن سعد، حافظ ذہبی، امام نووی اور حافظ ابن حجر اور خطیب بغدادی نے دل کھول کر اس کا اعتراف کیا ہے۔ عثمان البتی کے الفاظ میں "اس نواح میں محمد بن سیرین سے بڑا کوئی ماہرِ قضا نہیں ہے"۔ مگر ان کے سامنے جب عہدۂ قضا رکھا گیا تو وہ شام بھاگ گئے اور پھر وہاں سے مدینہ چلے گئے[۳]۔

عبداللہ بن وہب (۱۲۴ھ تا ۱۹۷ھ) جنہوں نے حضرت امام مالک کی خدمت میں حصولِ فیض کے ۲۰ سال گذارے، امام ہی کی نگاہ میں فقیہِ مصر قرار پاتے۔ خلیفۂ وقت نے درخواست کی کہ مصر کے عہدۂ قضا کو قبول کریں۔ اس اطلاع کے ملتے ہی روپوش ہو گئے۔ اتفاقاً ان کے ایک قدر شناس اسد بن سعد نے ان کو ایک بار گھر پر دیکھ لیا اور ان کو ترغیب دلائی کہ لوگوں کے درمیان کیوں نہیں آپ کتاب و سنت کے مطابق حکم کرتے۔ جواب دیا:

۱۔ المسعودی بر کامل ص ۱۱۲۔ مروج الذہب ج ۶، ص ۲۵۷، ۲۵۸۔ ابن خلکان ج ۔۔۔ ص ۔۔۔۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی از مولانا مناظر احسن گیلانی۔ تاریخ اسلام از مولانا عبدالقیوم ندوی۔ ج ۲، ص ۵۱۹ (ص ۱۹۰-۱۹۱)۔ ۲۔ تاریخ خطیب بغدادی ج ۸، ص ۴۲۱ تا ۴۲۵۔ غلامان اسلام ۔۔۔ از مولانا سعید احمد ایم اے۔ تذکرہ امام ربیعہ ص ۲۱۵۔ ۳۔ تذکرات الفقہ ج ۱، ص ۱۲۹ ۔۔۔ ص ۱۸۸

"کیا تمہاری عقل بس یہیں تک پہنچتی ہے؟ تمہیں معلوم نہیں کہ قیامت میں علماء انبیاء کے ساتھ اٹھائے جائیں گے اور قضاۃ کا حشر سلطان کے ساتھ ہوگا۔"[1]

اسمٰعیل بن علیتہ الہروی مخلصین کی صف میں سے تھے مگر بعض دوسرے علماء کی طرح معاشی مجبوری سے حکومت کی ملازمت کر لی۔ کچھ عرصہ تک بصرہ میں صدقات کا انتظام انہیں سونپا گیا، بعد ازیں بغداد میں فوجداری مقدمات کی عدالت کرنے لگے۔ ابن علیہ کے علم و فضل کی وجہ سے حضرت عبداللہ ابن مبارک ان کی مالی امداد کیا کرتے تھے۔ ان کے زمانۂ قضا میں عبداللہ بن مبارک بغداد میں تشریف لائے تو یہ ملاقات کے لیے گئے مگر ادھر سے التفات نہ ہوا۔ انہوں نے واپس جا کر ایک خط لکھا اور رقعہ لیا۔ انہوں نے جواب میں ذیل کے اشعار لکھ بھیجے ؎

یا جاعل الدین لہ بازیاً

لیصطاد اموال المساکین

اے وہ کہ جس نے دین کو باز بنا لیا ہے تاکہ اس کے ذریعے مساکین کے اموال کا شکار کرے!

این روایاتک فی سردھا

لترک ابواب السلاطین

وہ تیرا شاہوں کے دروازوں سے بے نیاز ہو کر روایاتِ احادیث میں مشغول ہونا کدھر گیا؟

اِنْ قُلْتَ اُکْرِھْتُ فھذا باطلٌ

زلّ حمارُ العلم فی الطین

اگر تو عذر میں کہے کہ میں قبولِ عہدہ پر مجبور ہو گیا تھا تو یہ غلط ہوگا۔ اب تو علم کا گدھا دلدل میں پھنس گیا!

اشعار پڑھ کر ابن علیہ پر رقت طاری ہو گئی، استعفیٰ لے کر ہارون کے پاس پہنچے

[1] ابن خلکان ج ۱، ص ۲۴۹ - غلامانِ اسلام - از مولانا سعید احمد ایم اے - ص ۳۰۹

اور بڑھاپے کا عذر پیش کیا۔ ہارون نے یہ کہتے ہوئے کہ تجھے اس دیوانے (یعنی عبداللہ بن مبارک) نے بہکایا ہوگا، ان کے اصرار کی وجہ سے استعفیٰ منظور کر لیا۔[۱]

امام محمد بن شیبانی کو قضا پر لانے کے لیے مجبور کیا گیا۔ انکار کرنے پر قید میں ڈال دیئے گئے۔ آخر تشدد کی وجہ سے قبول کیا تو مجبوراً۔[۲] خلیفہ منصور کے والی مصر یزید بن حاتم نے حیوٰۃ کو قاضی بنانا چاہا۔ انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ جو چاہو کر لو، یہ نہیں کروں گا۔[۳]

زفر جو امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے، ان کو منصب قضا قبول کرنے کے لیے کہا گیا۔ یہ روپوش ہو گئے۔ ان کا گھر ڈھا دیا گیا۔ مگر اس کے باوجود وہ آمادہ نہیں ہوئے۔ آخر حکومت نے ان کا پیچھا چھوڑ دیا۔[۴]

امام صاحب کے ایک اور شاگرد سہل بن مزاحم کو مامون نے خراسان کی گورنری کے زمانہ میں قضا کا عہدہ قبول کرنے کے لیے مجبور کیا۔ انہوں نے اس سے انکار کیا اور جیل بھیج دیئے گئے۔ تنگ آ کر مامون نے انہیں چھوڑ دیا۔[۵]

حارث بن مسکین کے سامنے مامون کے وزیر فضل بن مروان نے مصر کی قضا کا منصب پیش کیا۔ حارث نے قبول نہیں کیا۔ پھر متوکل نے بھی ان کو دعوت دی مگر وہ آمادہ نہ ہوئے۔ آخر بربنائے مصلحت بعض احباب نے ان کو مجبور کیا تو بادلِ ناخواستہ تیار ہو گئے۔[۶]

اسی طرح سعید بن ربیعہ کو عبید بن رفاعہ نے اور علی بن سعید بن شداد العبدی کو مامون نے مسندِ قضا پر لانا چاہا۔ مگر یہ حضرات اس پر تیار نہیں ہوئے۔[۷]

---

[۱] تاریخ خطیب بغدادی۔ ج ۶ ص ۲۳۵، ۲۳۶۔ غلامانِ اسلام از مولانا سعید احمد ایم اے ص ۴۰۸، ۴۰۹

[۲] چراغ راہ کا اسلامی قانون نمبر۔ ج ۱ مقالہ: "اسلام کا نظام قضا" از مولانا خلیل حامدی۔ ص ۲۰۶

[۳] حوالہ ایضاً۔ ص ۲۰۷ ۔ [۴] مفتاح السعادہ۔ ج ۲ ص ۱۱۴۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی از مولانا مناظر احسن گیلانی ص ۳۵۴ ۔ [۵] امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی از مولانا مناظر احسن گیلانی ص ۱۹۶

[۶] چراغ راہ کا اسلامی قانون نمبر ج ۱۔ مقالہ: "اسلام کا نظام قضا" از مولانا خلیل حامدی۔ ص ۲۰۷

[۷] حوالہ ایضاً۔ ص ۲۰۷۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کی ممتاز شخصیت کو لیجیے جن کی وفات پر خلیفہ ہارون نے یہ کہا تھا کہ "افسوس اعلماء کے سردار کا انتقال ہوگیا" خلیفہ ہارون ان سے ملاقات کا تمنائی تھا مگر خود یہ امام غیور اس پر آمادہ نہ تھے۔ ایک بار ہارون سے ملنے جا پہنچے۔ ایک حیرت زدہ کے استفسار پر آپ نے فرمایا کہ میں اپنے دل کو موت پر راضی کرنا چاہتا تھا مگر وہ نہیں ہوتا تھا۔ اب جبکہ وہ اس پر رضامند ہوگیا تو میں ہارون کے پاس چلا آیا" فرماں رواسے ملاقات تک کے لیے جس عالم کا یہ نقطۂ نظر ہو اسے قبولِ عہدہ کی دعوت دینے کی جرأت کون کرتا۔ ان کا حال تو یہ تھا کہ ملازمت پسند عالموں کے کردار کی تصویر اشعار میں یوں کھینچتے کہ ؎

جعلت دینک شاہینا تصید بہ

لیس یفلح اصحاب الشواھین

تو نے اپنے دین کو ایک شاہین بنا لیا ہے تاکہ اس کے ذریعے شکار کرتا پھرے

حالانکہ یہ شاہینوں والے شکاری کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔

اوپر بھی اسی مضمون میں ان کے تین اشعار درج ہو چکے ہیں۔ پھر وہ علم دین کے طلبہ کو مالی سہارا اسی نقطۂ نظر سے بہم پہنچاتے تھے کہ یہ طلبہ دنیا کے چکر میں نہ پڑیں اور معاشی مجبوری کی وجہ سے حکمرانوں کے ہاتھ نہ بک جائیں۔ اس رویے کی وجہ ہی سے ہارون کی نگاہ میں وہ مردِ مجنون ٹھہرے[1]

خلیفہ مطیع نے ابوالحسن محمد بن شیبان کو قضا کا عہدہ پیش کیا۔ پہلے تو انہوں نے انکار کیا، پھر اس شرط پر قبول کرنے پر راضی ہوتے کہ عدالت کو تاجِ خلافت کی طرف سے آلۂ کار نہ بنایا جائے گا، معزول نہ کیا جائے گا اور شریعت کے خلاف کسی امر کے لیے سفارش نہ کی جائے گی۔ خلیفہ نے اقرار نامہ لکھ دیا اور تقرری ہوگئی۔ محمد بن شیبان تمام قلمروِ عباسی کے قاضی القضاۃ تھے[2]

---

[1] غلامانِ اسلام ـ از مولانا سعید احمد ایم۔ اے۔ تذکرہ عبداللہ بن مبارک۔ از ص ۱۳۱

[2] تاریخ الخلفاء ص ۲۶۷۔ اسلام کا نظامِ مملکت از پروفیسر حسن ابراہیم حسن۔ ص ۳۱۹، ۳۲۰۔

باضمیر علماء میں سے بعض نے انتہائی معاشی اضطرار کے عالم میں منصب قبول کیا اور احساسِ کراہت کا کانٹا ان کے دل میں ہمیشہ کھٹکتا رہا۔ حکومت جو پورے معاشرے کی عناں بردار ہوتی ہے جب کسی خاص عنصر کے پیچھے پڑ جاتی ہے تو اس پر نہ صرف یہ کہ کسی مقصد کے لیے کام کرنے کے راستے بند کرتی جاتی ہے بلکہ قوتِ لایموت کا حصول بھی اس کے لیے ناممکن بنا دیتی ہے۔ اس میں سے کچھ لوگ اضطرار میں مبتلا ہو کر خدمات قبول کرتے ہیں اور جو اپنی جگہ ثابت قدم رہتے ہیں۔ ان کا دائرۂ کار اور ان کی قوتِ کار بہت کم ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی ابتلا علمائے حق کو درپیش تھا۔ مثلاً قاضی حفص بن غیاث کا بیان ہے کہ "جب حالات نے مردار کھانا میرے لیے حلال کر دیا تب میں نے قضا کا عہدہ قبول کیا۔"[1] اسی طرح قاضی ابو یوسف اگرچہ نظامِ قائم کے اندر سے اصلاح و تعمیر کا ایک منصوبہ ذہن میں لے کر قضا پر گئے تھے، تاہم یہ اقدام بھی انہوں نے اس وقت کیا جبکہ ان کے معاشی حالات انتہائی سنگین ہو گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ سسرالی گھر کے شہتیر فروخت کر کے بسر اوقات ہو رہی تھی۔[2]

اس مقاومت سے جہاں آزادیٔ ضمیر اور آزادیٔ علم کا تحفظ مقصود تھا وہاں اس کا فائدہ یہ بھی تھا کہ اگر علمائے حق مناصب پر جائیں تو ایک وزن اور وقار کے ساتھ جائیں اور کام کرنے کے لیے اچھی شرائط کے تحت موزوں حالات پیدا کرا سکیں۔ عملاً ایسا ہی ہوا بھی۔ علمائے حق میں سے جو اصحاب بھی مناصب پر آئے وہ کبھی اپنے عہدے اور تنخواہ کے غلام نہیں بنے۔ بلکہ غلامی انہوں نے کی تو صرف خدائے واحد کی کی۔ استعفے ان کی جیب میں رکھے رہتے تھے اور جان ہتھیلیوں پر رہتی اور انصاف کے اسلامی اصولوں، عدلیہ کی آزادی اور ججوں کے وقار کو قائم کرنے کے لیے وہ مطلق العنان اقتدار کے مقابلے پر اس مضبوطی سے کھڑے ہو جاتے کہ ان کی مثالوں سے آج بھی ہم ایک ترح خودی حاصل کرتے ہیں۔ (باقی)

---

[1] امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی۔ از مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم۔ ص ۲۵۷ (حاشیہ) [2] ایضاً۔